آمنہ ملک
پی ایچ ڈی اسکالر، شعبہ اردو،
نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگوئجز، اسلام آباد

منٹو کا باغیانہ لحن

Amna Malik
PhD Scholar, Urdu Department,
National University of Modern Languages, Islamabad

Rebellious Theme of Manto

Rebellious altitudes have been a popular theme of the writers in the history of the Urdu Short Story. The writer in these stories dopier different kinds of resistant behavior which pave the way of a revolution or at least bring about a change in the thought patterns of the members of society. Short stoires written on such themes from a valuable part of the works in Urdu literature. Manto is known for his frank and straightforward style while delineating the ever existing evils in the society. He condemns capitalism, plutocracy and religious exploitation which escalate and intensify class discrimination. The stories based on sexual frustration and rage, political injustice and social imbalance are the best in Manto's literary works. Manto seems to be a staunch supporter of resistance, rejection and rebellion against the existing norms of the society. His characters seem to be struggling of a change in an otherwise suppressive or compromising society. Manto is at his best when describing life's better realities, the complex nature of the apparently lascivious and lustful attitudes. He unveils the hidden psychological realities with amazing dexterity and his tone remains rebellious most of the time. He discards any compromise with the hypocritical trends in the society and puts aside all kinds of reluctance while putting them into words.

بیسویں صدی کے خدوخال میں اردو افسانے کے بدلتے ہوئے رویے نئی سمتوں کی دلیل پیش کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ سیاسی وسماجی سرگرمیاں ہر شعبے میں ابتری لے کر آئیں۔ سماجی جبریت، سرمایہ دارانہ غاجیت اور جاگیردارانہ جبریت کے خلاف حق وانصاف کی آواز بلند کرنا آسان نہ تھا۔ بیسویں صدی کی پہلی دہائی میں باغیانہ لحن کو سامراجی قوتوں نے بلند

آہنگ سے رو کے دکھایا جبکہ دوسری دہائی کے بعد صورتحال بدلتی چلی گئی۔لکھاریوں نے اپنے عہد کے تمام کرپٹ اداروں کے خلاف آواز بلند کی۔جس کی بدولت معاشرے کا دوغلا رویہ عیاں ہوا اور ان قدروں کو فروغ دینے کے مطالبے نے زور پکڑا۔جس کی بنا پر انسان اپنی شخصیت کو مکمل کر سکے۔باغیانہ لحن طاقت لسانی کے ساتھ ساتھ بے لاگ تبصرے اور بے رحم نظر کی ضرورت کو بھی ابھارتا ہے۔نتیجتاً ادباء نے رمزو کنائے کے ساتھ ساتھ بلند آہنگ لحن میں بھی معاشرے میں پھیلی بھرائیوں پر سخت نکتہ چینی کی۔

جب میرے ہاتھ میں پستول ہوگا اور اپنے اصل دشمن کو پہچان کر یا تو ساری گولیاں اس کے سینے میں خالی کر دوں گا یا خود چھلنی ہو جائیوں گا۔(۱)

اردو افسانے میں منٹو بغاوت کا استعارہ بن کر ابھرا۔غلامانہ ماحول میں توہمات اور جہالت کے اندھیرے میں ضیف الاعتقادی لوگوں کے لیے یہ باغیانہ رویہ تحریک پسندی کی علامت بنا۔منٹو اپنے افسانے میں فکر و نو کی برق پاشی کرتے ہیں اور ایک باشعور احساس قلم نگار کی حیثیت سے افسانے کے فنی تقاضوں کو نبھانے کے ساتھ ساتھ کائی زدہ ذہنوں کو کریدتے رہتے ہیں۔ان کے ہاں جلوہ افروز جہلا کی چیرہ دستیوں کے خلاف بھرپور احتجاج ملتا ہے۔منٹو کے افسانوی کردار ذہنی دباؤ کا شکار ہونے کے باوجود نئے امکانات کے متلاشی ہیں۔

معاشرے کی برائیوں کو منٹو ایکسرے کی آنکھ سے دیکھتے ہیں اور اس کی بنیاد پر ہی معاشرے کا پوسٹ مارٹم کرنے میں دیر نہیں لگاتے۔ان کے نزدیک انسان اپنے متضاد رویوں کے باعث معاشرے سے متعارف ہے۔ڈاکٹر فرمان فتح پوری لکھتے ہیں:

''منٹو کتنا بڑا باغی اور انقلابی تھا۔اس کے سینے میں برطانوی سامراج کے خلاف کیا لاوا ابل رہا تھا۔ سرمایہ دارانہ نظام اور طبقاتی استحصال سے اسے کتنی نفرت تھی،غربت و افلاس کے خاتمے کے لیے اس کے ذہن میں کیسے کیسے منصوبے بنتے تھے۔معاشی آزادی کا کیا عاشق اور انسانیت کا کتنا بڑا دوست تھا۔اس کا اندازہ فی الواقع منٹو کے ابتدائی افسانوں میں ہی ہوتا ہے۔(۲)

زندگی کی روشنی،تلخی،شہوانی اور ہیجانی رویوں کو منٹو نے نئی چابکدستی سے اپنے افسانوں کے قلب میں ڈھالا۔جبر زدہ ماحول میں ان کے کردار انقلابی جوش سے مالا مال ہیں اور نظام کو بدلنے کے خواہش مند دکھائی دیتے ہیں۔

''نیا قانون'' کے منگو کوچوان میں بے اطمینانی اور اضطرابی کیفیت سماجی وسیاسی ابتری کے باعث ہے۔اس کی آزادانہ سوچ آگہی کی منزل تلاش کرتی ہوئی سماجی وسیاسی حالات و واقعات پر اثر انداز ہوتی ہے۔نوع انسانی کو دکھوں اور اذیتوں سے نجات دلانے کے لیے یہ باغی کردار جدوجہد کرتا دکھائی دیتا ہے جبکہ نیا قانون کی خوش فہمی کی کوششوں نے منگو کو ذات کے اثبات سے روشناس کروایا۔انگریزوں کے دور میں معطل آزادیاں،ظالمانہ اور سفاکانہ سزاؤں کا سامنا منگو نے بڑی دلیری سے کیا۔

انگریز کے ساتھ منگو کا سخت گیر رویہ دراصل انقلاب کی جانب پہلا قدم ہے۔ جو یہ تاثر ابھارتا ہے کہ اگر سماجی وسیاسی سطح پر احساس بیگانگی روا رکھی جائے تو آزادی کی موت کے مترادف ہے۔ پہلی اپریل کو نافذ ہونے والا ''نیا قانون'' منگو اور انگریز کے درمیان وجہ تنازعہ بن گیا۔

> مڑ کر تانگے کے پائدان کی طرف قدم بڑھایا تو اچانک استاد منگو کی اوراس کی نگائیں چار ہوئیں اور ایسا معلوم ہوا کہ بیک وقت آمنے سامنے کی بندوقوں سے گولیاں خارج ہوئیں اور آتش بگولا بن کر اوپر اڑ گئیں۔(۳)

منگو کوچوان دراصل سڑک کی ناہمواریوں کو ناپتا ہوا ان حقائق کی کھوج میں ہے جنھوں نے استحصالی چابک سے انسانی اقدار کو مسخ کر دیا ہے۔

اندرونی معاملات میں سامراج کی بڑھتی ہوئی مداخلت تشویش کا باعث ہے۔ منگو کے نزدیک نئے قانون کی آمد ہندوستان کو حقیقی آزادی ملنے کی نوید ہے اوراس کی بدولت ماحول امن وآتشی کا گہوارہ بن سکتا ہے۔ لیکن سیاسی رہنماؤں کی ذاتی مفاد پرستی نے آزادی کے خواب کو چکنا چور کر دیا۔

منٹو کا عہد سیاسی انتشار اور معاشی کشمکش کا دور تھا۔ انقلاب روس نے سیاسی اور معاشی منظر نامے کو بدلنے کی راہ دکھاتے ہوئے معاشرے میں باغیانہ فضا پیدا کی۔ سیاسی نظام کی معمولی سی اتھل پتھل کو ایک عام آدمی نے بھی محسوس کیا اوراپنے مسائل کو کسی باقاعدہ نظام میں لا کر حل کرنے کے لیے بے تاب ہو گیا۔ منٹو کا یہ افسانہ سیاسی بصیرت کے ساتھ ساتھ گردوپیش سے آگاہی کا ٹھوس ثبوت ہے۔

''دیوانہ شاعر'' میں انقلابی لہجہ سماجی وسیاسی ابتری پر خندہ زن ہے۔ جلیانوالہ باغ کا سانحہ نیم پختہ انقلابی کے لیے کافی ہے۔ سقریت میں گھلی ہوئی افسانے کی فضا میں بھی بغاوت آمیز سروں کی کھوج سنائی دیتی ہے۔ دہشت زدہ ماحول میں بھی لوگوں کا ضمیر سلامت ہے۔ نفرتوں سے پھٹی ہوئی آنکھوں میں انقلابی خواب ہی جینے کی امید ہیں۔ افسانے کے اس حصے میں دیوانے شاعر کی پرجوش تقریر روشن مستقبل کو لبیک کہتی ہے۔

> انقلابی سماج کے قصاب خانے کی ایک بیمار اور فاقوں مری بھیڑ نہیں وہ ایک مزدور ہے تنومند، جو اپنے آہنی ہتھوڑے کی ایک ضرب سے ارضی جنت کے دروازے وا کر سکتا ہے۔ اس کی لہریں بڑھ رہی ہیں۔(۴)

اس کردار کی روح میں کلبلاتے نعرے جبریت کے خلاف شعبہ انتقام کی مانند ہیں۔ جابرانہ ماحول میں جذباتی تقریر یاسیت اور خودرحمی کے افسوسناک رویے کو ترک کرتی ہوئی مزاحمت کا رستہ اختیار کرتی ہے۔ جو بالائی طبقے کی بے حسی کو طاقت سے بدل دے گی اور اپنا حق منوا لے گی۔

''تماشا''میں بھی جلیانوالہ خوفناک سانحے کے پس منظر میں ایک معصوم بچے کی داستان رقم کی گئی ہے۔اس حادثے نے خالد کو وقت سے پہلے باشعور کر دیا۔جس کی وجہ سے وہ برطانوی سامراجیت کی چہرہ دستیوں کو ایک باغی کی نظر سے دیکھتا ہے۔ اس کے ذہن میں ابھرنے والی منفی اور تخریبی سوچ مردہ ذہنوں کو جھنجھوڑتی ہے۔

ہوائی بندوق نکال کر نشانہ لگانے کی مشق کرنے لگا تاکہ اس روز جب ہوائی جہاز والے گولے پھینکیں تو اس کا نشانہ خطا نہ جائے اور وہ پوری طرح انتقام لے سکے۔(۵)

استحصالی غلامی سے نبرد آزما ہونے والا یہ جذبہ دراصل معاشرے میں ایک بڑی تبدیلی کا تاثر ابھارتا ہے اور عالمی اداروں کی جابرانہ پالیسیوں کے لیے نوشتۂ تقدیر ہے۔منٹو مہارت سے حکمران طبقات کو مذموم عزائم کے سامنے اپنے کرداروں کو سیسہ پلائی دیوار بناتے ہیں۔تشدد کے خلاف مزاحمت کا رویہ باغیوں کا موثر ہتھیار ہے۔منقسم قدریں، منقسم خاندان اور منقسم محبتیں انسانی المیے کو جنم دیتی ہیں۔

منٹو''ایک اشک آلود اپیل''کے مضمون میں لکھتے ہیں:

دنیا میں جہاں اہل درد اور انسانیت دوست ہیں وہاں ایسے افراد بھی ہیں جن کا بیشتر وقت تلواروں اور چھریوں کی دھاریں تیز کرنے میں گذرتا ہے اور جو ہر وقت ایسے موقع کی تلاش میں رہتے ہیں کہ وہ اپنے تیز کیے ہوئے ہتھیار لوگوں میں دے کر خونریزی کا سماں دیکھیں اور پھر خون کے اس تالاب سے اپنی حرص اور اپنے مفاد کی پیاس بجھائیں۔

حساس لوگوں کے جذبات ملک کو مفلوج کر کے دیکھنے والے حکمرانوں کے خلاف مشتعل ہو جاتے ہیں۔ان کی شرانگیزیوں کو سمجھنے والے صاحب فہم ودانش ان پر لعنتیں برساتے ہیں۔منٹو کا قلم سماجی وسیاسی مقاصد کے تابع نہیں۔

''خونی تھوک''ایک المیہ پہلو رکھتا ہے۔سماجی جبریت کی چکی میں پسے ہوئے لوگوں کی آخری سانسیں بعض اوقات استحصالی قوتوں کو زندہ درگور کر جاتی ہیں اور ذلت وندامت کا احساس ان کے وجود کو گھن کی طرح چاٹتا رہتا ہے۔معمولی کام کرنے والوں کو بے عزت کرنے کا رواج جڑ پکڑتا جا رہا ہے۔قلیوں کی حالت زار گدھوں سے بھی بدتر ہے۔انگریز کی لات ایک بےبس قلی کی زندگی کا چراغ گل کر دیتی ہے۔لیکن مرتے ہوئے قلی کی خونی تھوک استحصالی چہرے پر پھینک کر منٹو نے اپنے باغیانہ رویہ کا بھرپور اظہار کیا ہے۔اپنی جان کی صرف دس روپے قیمت لگتے ہوئے دیکھ قلی سے رہا نہ گیا اور اس نے سود کے ساتھ اپنی قیمت چکا دی۔

منہ سے خون کے بلبلے نکالتے ہوئے کہا،میرے پاس بھی کچھ ہے۔۔۔یہ لو۔۔۔(۷)

''نعرہ''میں تنگدستی میں جکڑے ہوئے مونگ پھلی فروش کا باغیانہ لحن اگرچہ کمزور ہی ہے۔لیکن گہری معنویت کا حامل ہے۔سیٹھ کرایہ نہ ادا کرنے پر کیشو لال کو پراشتعال گالیوں سے نوازتا ہے۔گالیوں کے بوچھاڑ میں کیشو لال کے اندر ابلنے والے لاوے کے آگے بند باندھنے سے قاصر دکھائی دیتا ہے۔

اس کے حلق سے ایک نعرہ کان کے پردے پھاڑ دینے والا نعرہ، پگھلے ہوئے گرم لاوے کی مانند نکلا۔
ہٹ تیری۔(۸)

سماجی ناہمواری اور ناانصافی کے خلاف پر اشتعال اور اجتماعی رویہ مدہم ہی سہی مگر ہوا فروز جو آگے بڑھ کر انقلاب کے لیے سنگِ بنیاد ثابت ہوگا۔

''شغل'' میں محرومیوں اور نامرادیوں کے ناقابل بیان تلخی ابھرتی دکھائی دیتی ہے۔ معاشی تنگدستی میں پھنسنے ہوئے مزدوروں کے لیے ٹینا نامی لڑکی کی علامت ہے۔لیکن استحصالی قوتیں ان کی بے کیف زندگی میں اس روشنی کو چھیننا چاہتی ہیں۔ٹینا کو دو نوجوان انسپکٹر بہلا پھسلا کر اپنی گاڑی میں لے جاتے ہیں۔اس شرمناک حرکت پر سڑک تعمیر کرنے والے مزدوروں کی زبانیں گنگ ہیں۔ یہ بے بس مزدور کینہ وحسد کی آگ میں تلملاتے اور بل کھاتے رہ جاتے ہیں۔سڑک پر امراء کے کھلے عام عیاشیوں کا یہ نظارہ ان کو ناقابل منظور ہے۔اس قسم کے شغل محرومیوں میں بسے ہوئے لوگوں کو حیرت واستعجاب میں مبتلا کر دیتے ہیں اور یہ سوچنے پر مجبور کرتے ہیں کہ ان کی ازلی بدنصیبی کب ختم ہوگی۔ ناامیدی کا طوفان کسی پل چین نہیں لینے دیتا۔دھیمے انداز میں تلخیوں کو بدلنے والوں کے لیے زندگی سوالیہ نشان ہے۔

دفعتاً شغل کی آواز نے ہمیں چونکا دیا۔ دومرتبہ زور سے تھوک کر اس نے اپنے ہاتھوں کو گیلا کیا اور بیلچے کو سنگریزوں کے ڈھیر میں گاڑھتے ہوئے کہا اگر امیر آدمیوں کے یہی شغل ہیں تو ہم غریبوں کی بہو بیٹیوں کا اللہ بیلی ہے۔''(۹)

پیشے کی تقسیم نے انسان کی عزت کو نیلام کر دیا ہے۔معمولی کام کرنے والے اپنی عزت کی رکھوالی کے لیے استحصالی قوتوں سے متصادم کسی بھی وقت ہو سکتے ہیں۔تعمیری ہاتھ وقت پڑنے پر تخریبی کام بھی سرانجام دے سکتے ہیں۔''ہتک'' کی حساس دل طوائف سوگندھی جو ضرورت کے تحت اپنا جسم تو بیچنے پر مجبور ہے لیکن اپنی بے عزتی ہرگز برداشت نہیں کر سکتی۔اس افسانے میں سیٹھ کے منہ سے نکلا ہوا لفظ ''ہونہہ'' سوگندھی کی روح کو گھائل کر جاتا ہے۔''ہونہہ'' کی صوتی تکرار سوگندھی کے وجود کو بار بار معمولی شے ہونے کا احساس پیدا کرتی ہے۔ بازارِ حسن میں بیٹھنے کے باوجود وہ اپنی ذات کو دو کوڑی کا نہیں سمجھتی۔ وہ اس بات سے انکاری ہے کہ اسے کسی وقت بھی چوما اور تھوکا جا سکتا ہے۔سیٹھ جو سیٹ سوچ کا استعارہ ہے سوگندھی کے جذبات کی پرواہ کیے بغیر اسے رد کر دیتا ہے۔افسانے کے آخر میں سوگندھی کا خارش زدہ کتے کو اپنے پہلو میں لیٹنا درحقیقت ان ہرجائی عاشقوں کے منہ پر زوردار طمانچہ ہے جو نام نہاد محبت کا دم بھرتے ہیں اور پیسے کے بل بوتے پر تکبرانہ سوچ رکھتے ہیں۔سوگندھی کے نزدیک خاوش زدہ کتا ان سے کئی گنا زیادہ عزت واحترام کے قابل ہے۔ جو یہ کہتے پھرتے ہیں:

سوگندھی میں تجھ سے پریم کرتا ہوں۔(۱۰)

گہرے مشاہدہ کی وجہ سے معاشرے کا ہر مثبت ومنفی پہلو منٹو کے ہاں نظر آتا ہے۔منٹو کا بے باکانہ انداز اور طنزیہ فقرے سیاسی اور مذہبی اجارہ داروں پر گہرا وار ہیں۔فردکی زندگی کے حوالے سے اجتماعی مسائل کی نشاندہی کرتے ہیں۔ منٹوایک حساس محبّ وطن ہونے کے ساتھ ساتھ باغیانہ رویہ بھی رکھتے ہیں۔ان کے فسادات پر لکھے گئے افسانے سیاسی، اخلاقی اور مذہبی جبر کی داستان معلوم ہوتے ہیں۔انسانی نفرتیں مذہب کے نام پر تقسیم ہندوستان کے فسادات میں برہنہ ہو کر منظرعام پر آئیں۔فسادات کے دوران رونما ہونے والی لوٹ مار،قتل وغارت،جنسی استحصال اوراغوا کی عکاسی منٹو نے بیباکی سے کی۔

''استقلال'' مسلمانوں پر ہونے والے مذہبی استحصال کا بے ساختہ ردعمل ہے۔لوگوں میں پھیلی مایوسی بغاوت کی راہ ہموار کرتی ہے۔خوف وہراس،انارکی اور بربیت کے عہد میں انفرادی یا اجتماعی سطح پر بغاوت سر اٹھاتی ہے۔مسلمان کو بال بڑھانے اور سکھ بننے پر مجبور کرنا مذہبی عقائد پر گہرا وار تھا۔

استرے کی واپسی کا تقاضا دراصل ایمان کو بچانے کا ہتھیار ہے۔ہمت اور جرات پیدا کرتے ہوئے مسلمان کے منہ سے یہ جملہ بہت قدر و قیمت رکھتا ہے۔

> میں سکھ بننے کے لیے ہرگز تیار نہیں......میرا استرا واپس کردو مجھے۔(۱۱)

مذہب سے جذباتی وابستگی پر قربانی دینے کو تیار ہے۔منٹو نے اس کردار کو اظہار جرات سے بولنے پر آمادہ کیا۔ برسوں سے یہ زبانیں غلامی کے سبب خاموش تھیں۔لیکن آزادوطن کی خواہش نے بولنے پر مجبور کردیا۔یہ لب ولہجہ دشمن کو بھاگنے پر مجبور کردے گا اور غلامی کی زنجیریں کٹ جائیں گی۔

''ٹوبہ ٹیک سنگھ'' میں عجیب وغریب محرکات کرنے والا پاگل حساس دلوں کو جھنجھوڑتا ہے۔جھاڑو دیتے ہوئے بش سنگھ کا درخت پر چڑھنا اور نہ اترنے کا نعرہ لگانا دراصل آزادوطن کے ہونے اور نہ ہونے کا بے ساختہ اظہار ہے۔سرحدوں کی لکیر اس پاگل کو ہندوستان اور پاکستان کا فرق سمجھانے سے قاصر ہے۔سپاہی اسے درخت سے اترنے کا کہتا ہے تو وہ بے ساختہ کہتا ہے کہ میں نہ ہندوستان جانا چاہتا ہوں اور نہ پاکستان میں اسی درخت پر ہی بیٹھا رہوں گا۔سپاہیوں کا ڈرانا دھمکانا بیکار گیا۔ یہ اظہار ان لاکھوں معصوم لوگوں کے احساسات وجذبات کی عکاسی کرتا ہے۔جنھیں بٹوارے نے ہیجانی کیفیت سے دوچار کردیا۔ تاریخی حادثات اور سیاسی فیصلوں نے انسانی وجود کو متاثر کیا۔یہ کردار اپنے سوالات کی صورت میں تاریخ کے تلخ حقائق سے پردہ اٹھاتا ہے۔

> ایک دن نہاتے نہاتے ایک مسلمان پاگل نے پاکستان زندہ باد کا نعرہ اس زور سے بلند کیا کہ فرش پر پھسل کر گرا اور بے ہوش ہوگیا۔(۱۲)

منٹو نے ہرطرح کی جماعتی سوچ سے انحراف کر کے بغاوت کا جھنڈا بلند کیا۔سیاسی حکمرانوں کی سازشوں اور ان کی

دھندلیوں کو بے بے نقاب کیا۔ یہ افسانہ گردوپیش سے آگاہی کا ٹھوس ثبوت ہے اور اقتدار کی باگ دوڑ سنبھالنے والے حکمرانوں کے خلاف پرزور احتجاج بھی ہے۔

''سہائے'' فسادات کے پس منظر میں بٹی کی روداد ہے۔ انسانی نفسیات اجتماعی زیادتیوں کو کس طرح سے محسوس کیا اور زمین کے اجڑنے اور بننے کی المناک صورتحال کیسے بنتی چلی گئی ان سوالات کے تحت اس افسانے کی بنت ہوئی۔ بمبئی کا رہائشی ممتاز فرقہ وارانہ فسادات گرم ہوتے ہی پاکستان جانے کا خواہش مند ہے۔ لیکن مذہبی استحال نے تعصب اور بیمانہ فطرت کو پروان چڑھا کر اس کردار کا خاتمہ کیا۔ بے ساختہ منٹو کا قلم بول اٹھتا ہے کہ یہ کہنا غلط ہے ایک ہندو اور ایک لاکھ مسلمان مرتے ہیں بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ دو لاکھ انسان مرتے ہیں۔ خون کا رنگ ایک ہی ہے۔

> وہ لوگ کتنے بے وقوف ہیں جو سمجھتے ہیں کہ بندوقیں سے مذہب شکار کیے جا سکتے ہیں۔ مذہب، دین، ایمان، دھرم، یقین، عقیدت...... یہ جو کچھ ہے ہمارے جسم میں نہیں روح میں ہوتا ہے۔ (۱۳)

اس افسانے کا مثالی کردار سہائے ابھرتا ہے۔ جو دلال ہونے کی وجہ سے قابل نفرت ہے۔ لیکن اس کے اندر تعصب سے پاک دل ہے۔ جو ثابت کرتا ہے۔ دھرم سے اوپر ہی ایک انسانیت کا رشتہ ہے۔ اس رشتے کے ناطے مرتے ہوئے بھی وہ اپنے فرض سے منہ نہیں موڑتا اور خیر وشر کی لڑائی میں وہ جیت جاتا ہے۔ انسانی نفسیات مختلف پہلوؤں سے اس کردار کو آزماتی ہیں۔ لیکن وہ آزمائش میں کامیاب نہیں ہے۔

''کھول دو'' افسانہ انسانیت کے لیے باعث شرمندگی ہے۔ اس دکھ بھری داستان میں اپنوں کے خوفناک اور بھیانک روپ سامنے آتے ہیں۔ سراج الدین امرتسر سے مغلوپورہ پرتشدد حالات میں ہوش وحواس سے بیگانہ ہو کر پہنچتا ہے۔ اس کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت مفلوج ہو جاتی ہے کہ وہ کون ہے اور کہاں ہے؟ سوچ کی تیز روشنی اس کے رگ وپے میں جب سرائیت کرتی ہے تو دماغ میں کئی تصویریں ابھرتی اور ڈوبتی دکھائی دیتی ہیں۔ گڈ مڈ خیالات میں وہ گومگو کیفیت سے دوچار ہو جاتا ہے۔ آخر کار لٹے پٹے قافلے میں اپنے پیاروں کی تلاش کرتا ہے۔

> لوٹ، آگ، بھاگم بھاگ، اسٹیشن، گولیاں، رات اور سکینہ...... اپنے چاروں طرف انسانوں کے سمندر کو کھنگالنا شروع کیا۔ پورے تین گھنٹے وہ سکینہ، سکینہ پکارتا رہا، مگر اپنی جوان اور اکلوتی بیٹی کا کوئی پتہ نہ چلا۔ (۱۴)

سکینہ پاکستان داخل ہوتے ہی اپنے رضا کار محافظوں کے ہاتھوں درندگی کی زندہ علامت بن گئی۔ اس کی بے بس صورت وحشانہ سلوک کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ انسان کے اندر چھپے ہوئے وحشی جانور کو منٹو نے چابکدستی کے ساتھ بے نقاب کیا ہے۔ بیٹی کی حالت زار پر باپ کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں سلب ہو جاتی ہیں۔

سکینہ کا ''کھول دو'' جملہ معاملے کی نزاکت کا پتہ دیتا ہے۔ جسے سن کر باپ یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ آزاد وطن کا خواب اتنا بھیانک اور شرمناک بھی ہوسکتا ہے۔ ''کھول دو'' آزاد وطن کے رکھوالوں کے منہ پر زوردار طمانچہ ہے۔ جتنی تلخ حقیقت اس افسانے سے عیاں ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ فسادات کے دوران دو حیوانی جذبے جنس اور قتل و غارت اس حد تک پروان چڑھے کہ انسانیت حیوانیت سے بھی گرگئی۔

منٹو کے نزدیک حقیقی آزادی کی طرف جانا کٹھن مرحلہ ہے۔ امن و آشتی معاشرے کے لیے خلوص کا شدید فقدان ہے۔ سیاسی رہنماؤں کی مفاد پرستی نے عزتوں کو پامال کر دیا ہے۔ منٹو کی باریک اور دور اندیش نگاہیں ان معاملات کی کھوج لگاتی ہیں جس کے تحت معاشرہ تباہی کے دہانے پر پہنچا۔ ان حالات کا سبب وہ لوگ ہیں جو یہ کردار ہیں۔ اپنے گھر کا نظام تو درست کر نہیں سکتے۔ وطن کا نظام ٹھیک کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ یہ چیز مضحکہ خیز ہے۔ منٹو معاشرے کے ان ناسوروں کے بارے میں لکھتے ہیں:

> جو اپنے مادر وطن کو آزاد دیکھنے کے خواہشمند نہیں...... جو مکار ہیں، غدار ہیں، جن کی رگ رگ اور نس نس میں بدی کا خون موجزن ہے۔ (۱۵)

فسادات کے پر تشدد حالات پر مبنی افسانے ناکام سماجی اور ناکام سیاسی نظام کی اجتماعی گھٹن کا بے ساختہ ردعمل تھے۔

''موزیل'' تمام تر مذہبی قدروں کی باغی بن کر میدان میں اترتی ہے۔ اس کے دل میں انسانیت کی وہ شمع روشن ہے جو اپنے پرائے کے خون میں فرق کرنے سے قاصر ہے۔ بیباک یہودن لڑکی دوسروں کی جان بچاتے ہوئے قربان ہو کر انسانیت کی معراج پر پہنچ گئی۔ اس افسانے میں موزیل اظہار جرات سے کام لیتے ہوئے مذہب کے ٹھیکیداروں کو ان کا اصل چہرہ دکھاتی ہے۔

> شرم آنی چاہیے تمہیں اتنے بڑے ہو گئے اور ابھی تک یہی سمجھتے ہو کہ تمہارا مذہب تمہارے انڈر رویئر میں چھپا بیٹھا ہے۔ (۱۶)

ترلوچن موزیل کی محبت میں اسیر ہو کر کیس تو کٹوا بیٹھا ہے۔ مگر پگڑی اتارنے سے شرماتا ہے۔ فسادات میں جہاں ہر طرف قتل و غارت کا کھیل جاری تھا۔ ترلوچن کی محبوب کو موزیل اپنی جان پر کھیل کر بچاتی ہے۔ دم توڑتی ہوئی موزیل اپنے ننگے بدن پر ترلوچن کی دی ہوئی پگڑی کو پھینکتے ہوئے بے اختیار کہہ اٹھتی ہے کہ مذہب کے نام پر اسے خیرات نہیں چاہیے۔ تمہیں تمہارا مذہب مبارک ہو۔

منٹو نے معاشرتی عوامل کو سامنے رکھ کر فرد جرم کے ساتھ ساتھ خود احتسابی کی بھی دعوت دی۔ ان کا گہرا شعور معاشرے میں پھیلتے ہوئے کھیلوں کو عیاں کرتا ہے۔ منٹو استحصالی قوتوں کے خلاف سینہ تان کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور اظہار جرات سے مدمقابل کی غلطیوں کی نشاندہی کرتے ہیں۔ معاشی بدحالی، سماجی دشمنی، جبر و تشدد، طبقاتی تفریق، ریا و فریب اور بے ایمانی کے خلاف اپنے افسانوں میں سراپا احتجاج دکھائی دیتے ہیں۔

الغرض ابتدائی افسانوں سے ہی منٹو کا باغیانہ لحن واضح ہو جاتا ہے۔ محلاتی سازشوں، انتظامیہ اور مقتدر طبقات کی شاطرانہ چالوں کے آگے منٹو کا قلم جھکنے کے لیے تیار نہیں اور انقلابی جدوجہد پر یقین کامل رکھتا ہے۔

حواشی

۱۔ منٹو، منٹو کے افسانے، ساقی بک ڈپو، دہلی اگست ۱۹۴۰ء، ص:۱۸

۲۔ فرمان فتح پوری، ڈاکٹر، اردو افسانہ اور افسانہ نگار، الوقار پبلی کیشنز لاہور، ۲۰۰۰ء، ص:۱۳۲

۳۔ منٹو، نیا قانون، مشمولہ: منٹو کے افسانے، ص:۳۴

۴۔ منٹو دیوانہ شاعر، مشمولہ: آتش پارے، اردو بک سٹال لاہور، ۸ جنوری ۱۹۳۶ء، ص:۱۱۴

۵۔ منٹو، تماشا، مشمولہ: آتش پارے، ص:۹۷

۶۔ منٹو کے مضامین، منٹو راما، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، ۱۹۹۱ء، ص:۸۸

۷۔ منٹو، خونی تھوک، مشمولہ: افسانے اور ڈرامے حیدر آباد دکن، ۱۹۴۲ء، ص:۲۲

۸۔ منٹو، نعرہ، مشمولہ: منٹو راما، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۱ء، ص:۸۰۰

۹۔ منٹو، شغل، مشمولہ: راما ص:۲۷

۱۰۔ منٹو، ہتک، مشمولہ: منٹو کے بہترین افسانے، مرتب اطہر پرویز، چودھری اکیڈمی لاہور، س ن، ص:۶۵

۱۱۔ منٹو، استقلال، مشمولہ: سیاہ حاشیے، مکتبہ جدید لاہور، ۱۹۴۷ء، ص:۲۱

۱۲۔ منٹو، ٹوبہ ٹیک سنگھ، مشمولہ، پھندے، مکتبہ جدید لاہور، ۱۹۵۵ء ص:۸۔۹

۱۳۔ منٹو، سہائے، مشمولہ: خالی بوتلیں خالی ڈبے، مکتبہ جدید لاہور، ۱۹۵۰ء، ص:۳۲

۱۴۔ منٹو، کھول دو، مشمولہ: نمرود کی خدائی، نیا ادارہ لاہور، ۱۹۵۰ء، ص:۷

۱۵۔ منٹو کے مضامین، مشمولہ: منٹو راما، ص:۵۷۵

۱۶۔ منٹو، موزیل، مشمولہ: سڑک کے کنارے، نیا ادارہ لاہور، ۱۹۵۳ء، ص:۱۷۴